© rasailojaraid.com

مغربی تحریکِ اصلاحِ مذہب کا اخلاقی پس منظر

عبدالحمید صدیقی

(یہ مضمون اگرچہ "عقلیت پرستوں کی خام خیالیاں" کی ہی دوسری کڑی ہے، لیکن اس کی حیثیت ایک الگ باب کی ہے۔ اس کا بیشتر حصہ "عقلیت کے خلاف بغاوت" از آرنلڈ لون سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں فاضل مصنف نے یہ بتایا ہے کہ تحریک اصلاح مذہب، جسے لوگ غلطی سے ایک عقلی تحریک سمجھتے ہیں، دراصل ایک حسی تحریک تھی، جس کا منشا اصلاح و تجدید مذہب نہ تھا، بلکہ اُن اخلاقی قیود کو توڑنا تھا جو مسیحیت نے دنیائے مغرب پر عائد کر رکھی تھیں۔)

مغرب میں تحریک اصلاح مذہب (REFORMATION) کے موسّس مارٹن لوتھر کے پرستار عام طور پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ لوتھر نے رومن کیتھولک مذہب کو، جس کی بنیاد سراسر غیر عقلی عناصر پر تھی، منہدم کر کے اس کی جگہ ایک ایسے مذہب کی بنا ڈالی جو انسانی عقل کے عین مطابق اور "تفکر و تدبر" کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا۔ اس تحریک میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غور و فکر کے خلاف پڑتی ہو یا جس سے انسان کی ذہنی پرواز کا راستہ مسدود ہوتا ہو۔ خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والے لوگ یا عقل و خرد کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر چلنے والے افراد جو چاہیں کہتے رہیں، لیکن وہ بالغ نظر حضرات جنہوں نے اس تحریک کا سطحی مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ گہرائی میں اُتر کر اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ مغرب کی تجدد پسند تحریک عقلیت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود دراصل حسی بنیادوں پر قائم تھی اور اس کی بغاوت کا رُخ اتنا روایتی مذہب (رومن کیتھلزم) کے خلاف نہیں تھا جتنا کہ خود عقل کے خلاف۔

یوں تو اسلام کے سوا دنیا کے سارے مذاہب میں ایسی ہستیوں کی کمی نمایاں نظر آتی ہے جو وقتاً فوقتاً ان کی تجدید کر کے ان میں نئی رُوح اور اُن کے ماننے والوں میں نئی زندگی پیدا کرتیں اس لیے ان مذاہب کی تاریخ میں صدیوں ہزاروں برس کے ایسے خلا نظر آتے ہیں جس میں ان کا کوئی مجدد دکھائی نہیں دیتا جو ان مذاہب کو تحریفات و بدعات سے پاک کر کے انہیں اپنی اصل شکل و صورت میں پیش کرتا لیکن لوتھر کی تحریکِ اصلاح مذہب تو اس معاملہ میں سب سے ناکام کوشش ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس تحریک کا مقصود "تجدیدِ احیائے مسیحیت" تھا ہی نہیں تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ اگر لوتھر کا نصب العین واقعی اصلاحِ مذہب ہوتا تو وہ اس کو مادیت و نفس پرستی کے اس نرغہ سے، جس میں یہ مذہب اس دَور میں بدقسمتی سے گھرا ہوا تھا، نکالنے کی کوشش کرتا اور اپنے یقین، سچی روحانیت اور مخلصانہ جدوجہد سے عیسائیت کے پیروؤں میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دیتا لیکن بالمقابل لوتھر اور اس کے معتقدین مادہ پرستی کے خلاف صف آرا ہونے کے بجائے خود اس کے کیمپوں میں جا گھسے اور عیسائیت کے وسائل کی پشت میں وہ خنجر پیوست کیا جو اس کے لیے بالکل جان لیوا ثابت ہوا۔ اس وار کے بعد پھر وہ ہمیشہ کے لیے ایک بے جان لاش بن کر رہ گئی۔ مسیحیت کی قبر پر بیٹھنے والے مجاور خواہ کتنی ہی گہما گہمی اور ہماہمی کا مظاہرہ کریں لیکن ہر عقلمند انسان اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ عیسائیت ایک انقلاب انگیز تحریکِ فکر و عمل کی حیثیت سے اگرچہ لوتھر سے بہت پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، لیکن اس کے تابوت میں آخری میخ اس تحریکِ اصلاحِ مذہب کے ہاتھوں لگی اور اب اس کے پرستار اگر اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں تو ان کی پوزیشن بالکل انہی لوگوں کی سی ہے جن کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ بہرِ تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند۔

تاریخِ مذاہب پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی مذہب کو زندہ رکھنے کے لیے دو چیزیں ازحد ضروری ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اس کی تعلیمات میں کسی قسم کی تحریف و تبدیل نہ کی جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے مذہب کی اصلی روح مٹ جاتی ہے اور پھر اسے دوسرے مذاہب سے ممیز نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کا ہر مذہب اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے جو اسے انفرادیت بخشتا ہے اور جس کی بنا پر اس کے پیرؤں کے اندر ایک الگ اندازِ فکر و عمل پیدا ہوتا ہے جو انہیں ایک الگ وحدت بنا دیتا ہے۔ اگر مذہب کی وہ امتیازی خصوصیات جن کے دم سے وہ زندہ ہے ختم کر دی جائیں تو پھر وہ خود بخود بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔

دوسری چیز جو بقائے مذہب کے لیے ضروری ہے وہ مذہب میں وقت کے تقاضوں اور حالات سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت ہے۔ چونکہ انسانی زندگی تغیر پذیر ہے اور اس میں تعطل اور ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اس لیے ہر عہد اپنے جلو میں کچھ نئے مسائل لے کر نمودار ہوتا ہے۔ یہ مسائل ہر مذہب، دین یا کسی نظامِ فکر و عمل کے لیے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ مذاہب جو ان مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خود بخود اپنی تحریکی روح کو زائل کر دیتے ہیں۔ تاریخِ انسانی اس بات کی شاہد ہے کہ ایسے تمام مذاہب جنہوں نے ان مسائل کے بارے میں فرار کی پالیسی اختیار کی، یا ان سے آنکھ مچولی کھیلنے میں عافیت سمجھی، وہ یا تو صفحۂ ہستی سے مٹ گئے یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل بے اثر اور بے وزن ہو کر رہ گئے۔ اسی طرح وہ مذاہب جن کے علمبرداروں نے وقت کے تقاضوں سے عہدہ برا ہونے کے بجائے خود اُن کے سامنے سپر ڈال دی اور اُن سے مغلوب ہو کر خود اپنے مذہب میں ردّ و بدل شروع کر دیا، وہ بھی ان کی موت کا باعث بنے۔ ان کمزور لوگوں کی اعتدال پسندانہ توجیہات نے تحریفات کی شکل اختیار کرتے ہوئے ان مذاہب کی شکل و صورت کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ ان کی حیثیت پھر دنیا میں ایک راہنما قوت کی سی نہ رہی بلکہ یہ وقت کے غالب رجحانات کے غلام بن کر رہ گئے۔

مارٹن لوتھر نے جس عہد میں جنم لیا، اُس میں عیسائیت پر تحریفات و تاویلات، بدعات، مشرکانہ اعمال و رسوم، ملحدیت اور نفس پرستی نے مسلسل حملے کر کے اسے بالکل مفلوج کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ خانقاہیں اور عبادت گاہیں تعیشات اور بداخلاقی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مادہ پرستی اس کے مدِ مقابل کھڑے ہو کر اسے دعوت مبارزت دے رہی تھی۔ ان حالات میں اصلاحِ مذہب اور تجدیدِ مسیحیت کی حقیقی خدمت یہ تھی کہ کوئی خدا کا بندہ تحریفات و تاویلات کا پردہ چاک کر کے حقیقی مذہب کے نقوش کو اجاگر کرتا، بدعات اور رومی اثرات کے خلاف آواز اٹھاتا، مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگا کر انہیں شکست فاش دیتا لیکن افسوس کہ لوتھر کی اصلاحی تحریک نے ان میں سے کوئی کام بھی نہ کیا بلکہ مادہ پرستی جو عیسائیت کی اصل حریف اور یورپ میں اس کی جانشین ہے، اس کے خلاف کوئی مؤثر اور وقیع دینی دعوت اور صدائے احتجاج بلند کرنے کے بجائے اُس کے سامنے بالکل ہتھیار ڈال دیئے۔

ان صفحات میں یہ ممکن نہیں کہ ہم ان امور پر کوئی تفصیلی بحث کر سکیں کہ کس طرح مارٹن لوتھر نے مسیحیت کو مادیت پرستی کے سامنے سرنگوں کیا۔ ہم یہاں اس شکست کے صرف اخلاقی پہلو کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہم میں سے کون اس بات سے ناواقف ہے کہ دنیا کے سارے مذاہب کی بنیاد اخلاق پر قائم ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اخلاق مذہب کا بالکل منطقی اور فطرتی نتیجہ ہے۔ جو چیز عقیدہ کی شکل میں مذہب کہلاتی ہے وہی جب معرضِ عمل میں آتی ہے تو اخلاق نام پاتی ہے۔ اخلاق اس وقت تک موجود رہتا ہے جس وقت تک مذہب موجود ہے اور اگر اخلاق ختم کر دیئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں تو مذہب خود بخود مٹ جاتا ہے۔

پھر اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مذہب جس اخلاق کی تعلیم دیتا ہے وہ اس اخلاق سے بالکل مختلف ہے جس کا مادیت پرستی پرچار کرتی ہے۔ مذہب جس اخلاق کا علمبردار ہے وہ زمان و مکان کی حدبندیوں سے ماوراء ہے۔ اس میں من و تو کے حجابات حائل نہیں ہوتے، اُس میں اگرچہ انسان کے فطری داعیات کے لیے پوری گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لیکن اُس کی تعمیر میں حسیات سے بطور بنیاد کے کام نہیں لیا جاتا۔

اس کے برعکس مادیت جس اخلاق کو پیش کرتی ہے اس کا خمیر صرف حسیات سے اٹھایا جاتا ہے۔ یہ اخلاق انسان کو خواہشات کی غلامی اور نفس و جسد کی بندگی سے آزاد ہونے کا طریقہ نہیں سکھاتے، بلکہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی ترغیب و تلقین کرتے ہیں۔ چونکہ حسی تمدن اور نظام میں علم کا ماخذ صرف حواس ہوتے ہیں، اس لیے انسان کے بارے میں یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک بولنے والا جانور ہے۔ اس بنا پر اُس کے لیے جو ضابطۂ حیات تجویز کیا جاتا ہے وہ بھی روح اور مقاصد میں خالص حیوانی زندگی سے کچھ مختلف نہیں ہوتا۔ ایک حسی نظام حیات میں اخلاق کا لفظ تو بارہا سننے میں آتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جس سے انسان کو زیادہ سے زیادہ محسوس منفعت یا لذتِ نفس حاصل ہو۔

مذہبی اخلاق اور مادی اخلاق کی اس مختصر سی تشریح کے بعد یہ چیز بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ مذہب میں اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے حرص و ہوا، اس کی صنفی خواہشات، اُس کے حسی میلانات کو اعلیٰ مقاصد کا پابند کر کے اُسے حیوانی سطح سے اٹھا کر اشرف المخلوقات کے دائرہ میں داخل کیا جائے برخلاف اس کے مادی اخلاق کا نصب العین یہ ہے کہ انسان پر سے ہر قسم کی قیود توڑ کر اُسے بالکل آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی حیوانی جبلتوں کی جس طرح چاہے بے قید ہو کر تسکین کرے۔ اس اخلاق کی نگاہ میں معراجِ انسانیت یہ ہے کہ جسمانی اور حسی لذتوں کے حصول کے لیے اس پر کوئی پابندی باقی نہ رہے۔

البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے بار بار حسی اور حیوانی کے الفاظ استعمال کرنے سے آپ کو غلط فہمی نہ ہو کہ حسی تمدن جنگل کی ایک زندگی ہے، جس میں شہریت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور شائستگی مفقود ہوتی ہے۔ در اصل ہم اسے اس کے ماخذ اور روح کے اعتبار سے حسّی کہہ رہے ہیں ورنہ شہری زندگی کے اعتبار سے یہ دنیا کا ترقی یافتہ تمدن ہے اور اس میں بڑی رنگینیاں اور دلچسپیاں پائی جاتی ہیں۔ جب ہم اسے حسّی تمدن کا نام دیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں اخلاق کا مقصود و مطلوب انسان کو حیوانی فطرت سے قریب تر کرنا ہے ــــ ایسی فطرت جو وجدان اور شہادتِ قلبیہ سے یکسر خالی ہو، جس میں صرف حِس، خواہش اور مطالباتِ نفس کی تکمیل کے سامان ہوں۔ باقی رہیں وہ چیزیں جو فطرتِ انسانی کے مقتضیات سے ہیں، جن کو انسان اپنے وجدان میں پاتا ہے، جن کے فوائد یا نقصانات مادّی اور حسّی نہیں بلکہ نفسی اور روحانی ہیں، ان کو یہ تمدن سرے سے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

ان تصریحات کے بعد اب دیکھیے کہ مارٹن لوتھر نے کس طرح اخلاق کے دائرہ میں مادیّت پر مبنی کو مسیحیت پر مسلط کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوتھر کے زمانۂ عروج سے بہت پہلے مسیحیت پر سخت انحطاط طاری ہو چکا تھا۔ کلیساؤں سے کوئی زندگی بخش نعرہ بلند نہ ہوتا تھا بلکہ صرف تعطّل اور جمود کے درس دیے جاتے تھے راہبوں کے مسکن بدمعاشی اور عیاشی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے پادریوں پر مہیب اخلاقی جرائم کے الزامات عائد کیے جاتے تھے۔ سینٹ جیروم کا مقولہ ہے کہ اہلِ کلیسا کے تعیّش کے سامنے امراء اور دولتمندوں کی عیش و عشرت بھی شرماتی تھی۔ خود پوپ ہر قسم کی اخلاقی بیماری میں مبتلا تھے۔ اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق تو ان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے اور کبھی کبھی ان کا نیلام ہوتا تھا۔ جنت کے قبالے، مغفرت کے پروانے، قانون شکنی کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ، جائداد کی معمولی دستاویزوں کی طرح بے تکلّف فروخت ہوتے تھے۔ مذہبی عہدیدار سخت راشی اور سود خوار تھے۔

یہ سب چیزیں اپنی جگہ صحیح اور درست سہی لیکن کیا یہ سب کچھ مسیحیت کی تعلیم کے عین مطابق ہو رہا تھا، یا یہ اُس کے خلاف تھا؟ کیا مسیحیت کا منشا اس قسم کی بدمعاشیوں، عیاشیوں اور فریب کاریوں کو فروغ دینا تھا یا اس کا مقصد ان کو مٹا کر دنیا میں نیکی، شرافت اور خدا ترسی کو پروان چڑھانا تھا؟

آج بائیبل کے تحریف شدہ نسخے جو ہمیں ملتے ہیں اُن کو بھی اگر سرسری طور پر ہی دیکھا جائے تو اس بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے انسانیت کو نیکی کا پیغام دیا تھا، اُسے سچائی کو حاصل کرنے کی تلقین کی تھی، اُسے حسّی خواہشات کو ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانے کی ترغیب دی تھی۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عیسائیت نے دوسرے الہامی مذاہب کی طرح لوگوں کے سامنے سیرت و کردار کے بعض ایسے بلند اور اعلیٰ نمونے پیش کیے جو اپنی دلفریبیوں کی وجہ سے ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کو متاثر کرتے رہے ہیں، جو بہترین محرکِ اخلاق ہیں اور جن کی گرفت قلوبِ انسانی پر ہمیشہ مضبوط رہی ہے۔ یہ اسی اعلیٰ تعلیم کا اعجاز تھا کہ عیسائیت کے پیرو رومیوں جیسی مادہ پرست قوم کے درمیان رہ کر بھی اُس کی بدمعاشیوں اور عیاشیوں سے الگ، اُس کی سیاسی چالبازیوں سے دُور، اور اپنے گرد و پیش کی زہریلی ہوا سے غیر متاثر رہے۔ ان مسیحیوں نے مدتِ دراز تک اپنی اخلاقی آن بان قائم رکھی اور یہی درحقیقت عیسائیت کی کامیابی اور ترقی کی واحد ضامن تھی۔ لیکن دیکھیے کہ لوتھر کی تحریکِ اصلاحِ مذہب نے کس طرح مسیحیت کے علمبرداروں کی رو بہ انحطاط اخلاقی حالت کو مزید بگاڑ دیا۔ اگر لوتھر اپنے مشن میں مخلص تھا تو پھر اُس پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ ایک طرف اہلِ مذہب پر سے مردم آزار، آدم بیزار اور دشمنِ فطرت رہبانیت کے جنون کو اُتار کر انہیں اس سے نجات دلاتا اور دوسری طرف مسیحیت کے علمبرداروں کو اخلاقی پستی، اور گراوٹ کے مہیب غاروں میں سے نکال کر انہیں سیرت و کردار کے اعلیٰ مقام پر فائز کرتا۔ لیکن جب ہم لوتھر کی اصلاحی تحریک کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سخت مایوسی ہوتی ہے۔ اُس نے فحاشی اور عیاشی کو روکنے کی بجائے اپنے طرزِ عمل سے اور تقویت بہم پہنچائی اور وہ تھوڑا سا "احساسِ زیاں" جو آزاد شہوت رانی کے راستے میں ایک حد تک رکاوٹ کا کام دے رہا تھا اسے ختم کر کے حسّی فلسفۂ حیات کی توسیع و اشاعت کے لیے زمین ہموار کر دی۔

اب دیکھیے کہ یہ "تحریکِ اصلاحِ مذہب" کس طریق سے لوگوں کے اخلاق کو برباد کر کے انہیں اباحیت مطلقہ کے راستے پر ڈالتی ہے۔

اس تحریک کے داعی کا یہ حال تھا کہ اُس نے اپنے حرم میں بے شمار خواتین بغیر نکاح کے ڈال رکھی تھیں اور جن کے بارے میں وہ بڑے فخر کے ساتھ ایک خط میں یوں لکھتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تم نکاح کے بارے میں میرے تاثرات دریافت کرنا چاہتے ہو، سو عرض ہے کہ تم میرے نکاح کے بارے میں قطعاً فکرمند نہ ہو۔ البتہ اگر تم میری پیروی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو پھر تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ تم اس کے متعلق مجھ سے سوال کرو۔ میری تین بیویاں تھیں[1] جن سے میں نے انتی شدت سے محبت کی کہ ان میں سے دو مجھے دائمِ مفارقت دے گئیں اور اب وہ دوسرے آدمیوں سے عقدِ نکاح باندھنے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔"

لوتھر نے اخلاقی پابندیوں کے خلاف اس قدر زور سے پراپیگنڈا کیا کہ ملک میں ہر جگہ آزاد شہوت رانی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جن لوگوں نے اس شخص کی آواز پر لبیک کہا وہ ہر قسم کی اخلاقی قیود کو توڑتے ہوئے بالکل جانوروں کی طرح صنفِ نازک پر پل پڑے اور انہوں نے خانقاہوں میں جا کر وہاں عورتوں پر مجرمانہ حملے کیے۔ لوتھر اسی قسم کے ایک شخص کی "مقدس کارگزاری" کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سراہتا ہے۔

"تم نے حضرت مسیح کی طرح ان بے کس اور مجبور جانوں کو انسانی عذاب کے چنگل سے نجات دی ہے۔ تم نے یہ کام اس وقت کیا ہے جو اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھا۔"

اس قسم کی برائیوں کی ہمت افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تحریکِ اصلاحِ مذہب کے علمبردار خود آگے بڑھ بڑھ کر لوگوں کو بے حیائی کی دعوت دیتے رہے۔ ڈینفلی اپنی کتاب میں اسی گروہ کے ایک فرد کے ایک خط کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس خط میں یہ دیکھیے کہ کس جسارت سے حوّا کی بیٹی کی خرید و فروخت کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔

"نو راہب عورتیں ہمارے پاس ہیں، وہ خوبصورت ہیں اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے کوئی بھی پچاس برس کی نہیں، میرے بھائی! میں نے سب سے بڑی تمہارے لیے رکھی ہے اگر تم سب سے چھوٹی لینا چاہو جو سب سے حسین بھی ہے تو اس معاملہ میں بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

یہ صورتِ حال اس قدر افسوسناک اور وحشتناک تھی کہ اس سے نہ صرف ٹامس مور جیسے نیک اور

---

[1] واضح رہے کہ عیسائیوں کے ہاں ایک عورت سے زیادہ کے ساتھ کسی مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ مذ بیویاں جناب لوتھر کے حرم میں بلا نکاح تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکباز انسان کو ہی صدمہ ہوا بلکہ ڈیوک جارج میکنٹی جیسے دنیا دار لوگ بھی گھبرا اٹھے اور انہوں نے اس طرزِ عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

لوتھر نے جو ضابطۂ اخلاق پیش کیا اُس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تحریک اصلاح مذہب کس قسم کے اخلاق کی نشو و نما کر رہی تھی۔ لوتھر اپنے متبعین کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جب کبھی شیطان تمہارے دل میں بُرے وساوس پیدا کرے تو تم فوراً خلوت سے نکل کر جلوت میں آجاؤ، جی بھر کر شراب پیو، خوب ہنسی مذاق کرو۔ انسان کو کبھی کبھار دل کھول کر شراب پینی چاہیے، اُسے حماقتوں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہونا چاہیے، اور شیطان سے نفرت کے اظہار کے لیے گناہ کر کے مسرور ہونا چاہیے تاکہ ضمیر کی خلش ہمیں کبھی بھی چھوٹے چھوٹے معاملات میں بے چین نہ کرنے پائے۔ اگر ہم گناہوں سے بچنے کے لیے شدت سے متمنی ہوں گے تو ہم حالات کے ہاتھوں شکست کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اگر کبھی شیطان یہ کہے کہ "شراب مت پیو" تو میں اس چیلنج کے جواب میں زیادہ پیوں گا، زیادہ غیر محتاط اور فضول گفتگو کروں گا تاکہ میں شیطان پر خندہ زن ہو سکوں، جو کہ وقتاً فوقتاً مجھ پر پھبتیاں کستا رہتا ہے۔ اگر میں کوئی ایسا زبردست گناہ کر سکوں جس سے شیطان بھی شرمائے تو میں حقیقت میں پھر اپنے آپ کو کامیاب کہلانے کا مستحق ہوں۔ اس سے شیطان پر یہ راز منکشف ہو جائے گا کہ میں کسی چیز کو گناہ نہیں سمجھتا، مجھے کسی گناہ کا شعور ہی نہیں ہم، جنہیں شیطان اس قدر ہراساں کرتا ہے، اس کے نرغہ سے اسی صورت میں باہر نکل سکتے ہیں، جب ہم ضمیر کی خلش کو اپنے دل و دماغ سے یکسر نکال دیں۔"

پچھلے صفحات میں ہم نے اس امر کی وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی کہ مذہب سے ہمیں جو اخلاق حاصل ہوتا ہے اُس کی اقدار معروضی ہوتی ہیں، یعنی وہ انسان کے احساس و جذبات، اُس کی خواہشات اور میلانات کا تابع نہیں ہوتا بلکہ ان کی حفاظت اور پاسبانی کرتا ہے، ان کے اندر اعتدال پیدا کر کے انہیں انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد بناتا ہے۔ لیکن مادیت پرستی جس اخلاق کی مبلغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور داعی ہے وہ پستی لذات اور نفسانی خواہشات کے محور پر گھومتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حظِ نفس اس کا راہنما ہے کہ اس کی تشکیل و تربیت کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مذہب کا پیش کردہ ضابطۂ اخلاق معروضی ہونے کے ساتھ ساتھ خارجی بھی ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے مادی فلسفۂ اخلاق افراد اور زمان و مکان کے ساتھ ساتھ ہمیشہ متغیر رہتا ہے۔ انسان جو چاہیں کریں، اخلاق کا کام اسی قدر ہے کہ وہ اس کے ہر فعل کے لیے، خواہ وہ کتنا گھناؤنا ہو سندِ جواز عنایت کر دے۔ جب ہم اس زاویۂ نگاہ سے اس تحریک کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مادیت پرستی کی طرح لوتھر کی اصلاحِ مذہب کی تحریک بھی داخلیت کی فتح ہے۔ جس چیز کو ہم مذہب کی حقانیت کہتے ہیں، لوتھر کے مذہب میں وہ درحقیقت حسّی خواہشات اور جسمانی لذات کی بالادستی کا اعتراف و اقرار ہے۔ خود لوتھر نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"خدا کی طرف سے تم پر اس کے سوا اور کوئی فرض عائد نہیں ہوتا کہ تم اُس کی ذات کے وجود کا اقرار کرو۔ دنیا کے باقی معاملات میں اس نے تمہیں آزادی دے رکھی ہے کہ تم ضمیر کی کسی ادنیٰ خلش کے بغیر جس طرح چاہو کرتے رہو۔ وہ شخص جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اُس کے باپ نے اُس کے سارے گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے، بالکل معصوم ہے۔ اتنا معصوم جتنا کہ خود مسیح ہیں۔"

اس تحریکِ اصلاحِ مذہب نے اخلاق کا جس طرح دیوالہ نکالا، وہ خود لوتھر کے لیے بھی بالآخر موجبِ پریشانی ہوا۔ اس صنفی انارکی سے جھنجھلا کر وہ لکھتا ہے:

"اب جبکہ ایک شیطان کو ہم نے نکال دیا ہے تو سات اور شیاطین گھس آئے ہیں۔ آج کل انسان زیادہ حریص، زیادہ بے رحم، زیادہ شریر اور زیادہ ناعاقبت اندیش ہو گئے ہیں۔ نفرت، نفع اندوزی، زیردست آزاری، سفاکی، فحاشی، بدمعاشی اور فریب کاری اخلاق کے نوامیسِ عالیہ قرار دیئے گئے ہیں اور یہ حالت تو اس سے بدرجہا بدتر ہے جس میں کہ لوگ پادریوں کے زیرِ اثر زندگی گذار رہے تھے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ہماری تعلیمات کے ہمیں یہ نتائج دیکھنے پڑیں گے۔"

اسی طرح اُس کے بڑے نامور رفقاء کار نے بھی اپنے متبعین کی اخلاقی پستی کا دل کھول کر رونا رویا ہے۔

باقی ص ۶۱ پر

© rasailojaraid.com